31

ہر کام خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے ماتحت اچھا یا بُرا بنتا ہے

(فرمودہ 31 اکتوبر 1941ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ کی دو صفات مُحْیِ اور مُمِیْت ہیں۔ وہ زندہ بھی کرتا ہے اور مارتا بھی ہے۔ اس کے زندہ کرنے کا ثبوت تو وہ ہزاروں لاکھوں بچے ہیں جو روزانہ دنیا میں پیدا ہوتے ہیں اور ایسے حالات میں پیدا ہوتے ہیں جو انسان کے اختیارات سے باہر ہوتے ہیں۔ اور ایسے حالات میں سے گزر کر بڑھتے ہیں کہ اگر کسی بالا ہستی کا اثر نہ ہو تو ان کے بڑھنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی۔

ایک جانور کا بچہ صرف چند دن میں ہی اپنی ضرورتوں کو خود پورا کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ چڑیوں کے بچے ایک یا ڈیڑھ ہفتہ میں اُڑنے لگ جاتے ہیں، مرغیوں کے بچے تین چار ہفتہ میں اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے لگ جاتے ہیں۔ چوپایوں کے بچے پیدا ہوتے ہی تھوڑی دیر میں دوڑنے کودنے لگ جاتے ہیں۔ مگر انسان کا بچہ چھ چھ سات سات مہینے بلکہ بعض دفعہ نو نو ماہ تک گودی میں اٹھائے رکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات تو چھ سات آٹھ بلکہ نو مہینہ تک وہ گھٹنوں کے بل چلنے کے بھی قابل نہیں ہوتا۔ پھر اس کی غذا جس سے وہ پرورش پا سکتا ہے اس کی ماں کی چھاتیوں میں ہوتی ہے۔ کہیں دو تین سال میں جا کر وہ دانت

نکالتا ہے۔ ایسے بچے بھی ہوتے ہیں جو چھ یا سات مہینہ میں اپنے دانت نکال لیتے یا نکالنے شروع کر دیتے ہیں مگر بِالعموم ایسے دانت جن سے بچہ کسی قدر غذا حاصل کر سکتا ہے وہ ڈیڑھ دو بلکہ اڑھائی سال کے بعد مکمل ہوتے ہیں۔ اتنے لمبے عرصہ تک اپنی جان کو دکھوں میں ڈال کر ایک عورت جو اپنے بچہ کی خدمت کرتی ہے یہ بغیر اس کے کبھی ممکن ہی نہیں تھا جب تک خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں پرورش کا خیال اور بچہ کی محبت پیدا نہ کر دی جاتی۔ یہ مت خیال کرو کہ صرف ماں ہونا ہی اس محبت کا موجب ہو سکتا ہے کیونکہ ماں کے جذبات اس کے اپنے اختیار کی چیز نہیں ہوتے۔ اور اختیاری چیز ہی کسی انسان کی طرف منسوب کی جا سکتی ہے۔ جو چیز کسی انسان کے اختیار کی نہیں وہ اس کی طرف منسوب کس طرح کی جا سکتی ہے۔ وہ تو لازماً کسی اور ہستی کی طرف منسوب کرنی پڑے گی اور وہ ہستی اللہ تعالیٰ کی ہی ہے جس نے ماں کے دل میں اپنے بچوں کی محبت پیدا کی اور اسے پیدائش اور پرورش کی تکالیف برداشت کرنے کی طاقت دی۔ چنانچہ سالہا سال تک وہ اپنے بچوں کو پالتی رہتی ہے۔ پہلے نو ماہ تو وہ اپنے بچہ کو پیٹ میں اٹھاتی ہے پھر دوسال اسے گود میں اٹھاتی ہے۔ گویا اوسطاً اڑھائی سال تک ماں اپنے بچہ کے لئے ہی ہو رہتی ہے۔ تب کہیں وہ پرورش پاتا ہے۔ مگر اس کے بعد وہ فارغ نہیں ہو جاتی۔ بلکہ بالعموم اس وقت ایک دوسرے بچہ کی آمد شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس طرح اپنی زندگی کا بہترین حصہ عورت اپنے بچوں کی پرورش میں لگا دیتی ہے۔

پس یہ جذبۂ محبت جو ہر عورت کے دل میں اپنے بچوں کے متعلق پایا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی پیدا کیا گیا ہے۔ ورنہ اتنی محنت کی برداشت انسانی عقل کے ماتحت نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر خداتعالیٰ یہ جذبات ماں کے دل میں پیدا نہ کرتا تو آہستہ آہستہ فلسفہ اور عقل کے ماتحت یا تو انسان اولاد پیدا کرنا ہی بند کر دیتے اوریا پھر ان کی پرورش کی طرف سے اپنی توجہ کلیۃً ہٹا لیتے۔

پھر خدا تعالیٰ کے مُمِیْت ہونے کا نظارہ بھی روزانہ نظر آتا ہے۔ بڑے بڑے

شہروں میں سینکڑوں آدمی روزانہ مرتے ہیں۔ چنانچہ کسی سڑک پر چلے جاؤ تمہیں جنازے گزرتے دکھائی دیں گے۔ چھوٹے قصبات میں بھی پانچویں دسویں کوئی نہ کوئی موت ہوتی رہتی ہے۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں بھی سال میں دو تین موتیں ہو جاتی ہیں۔ پس موت کا یہ نظارہ بھی ہمیں کثرت سے دنیا میں نظر آتا ہے۔

غرض خدا کی یہ دونوں صفات کہ وہ مُحْیِ بھی ہے اور مُمِیْت بھی ہے۔ اس رنگ میں لوگوں کے سامنے آتی رہتی ہیں کہ کوئی ان کا انکار نہیں کر سکتا۔ حیات انسان کے لئے خوشی کا موجب ہوتی ہے اور موت لوگوں کے لئے رنج کا موجب ہوتی ہے۔ دشمن کی بھی لاش پڑی ہوئی ہو تو سوائے ایک شقی القلب انسان کے دوسرے انسانوں کے دلوں میں رحم کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے۔ بیس بیس تیس تیس سال کی دشمنیاں اس وقت دلوں سے نکل جاتی ہیں اور دشمن کی لاش دیکھ کر انسان کے دل میں سے اس وقت دعا ہی نکلتی ہے یا اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے لئے دل میں رحم اور ہمدردی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں کیونکہ ہر انسان جانتا ہے کہ جو دن اس پر آیا ہے وہ مجھ پر بھی آنے والا ہے۔ جس طرح یہ اپنے عزیزوں، رشتہ داروں اور دوستوں سے جدا ہوا ہے۔ اسی طرح میں ایک دن اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں اور دوستوں سے جدا ہو جاؤں گا۔ جس طرح اس کے رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کو اس کی موت سے تکلیف پہنچی ہے اسی طرح میرے رشتہ داروں، عزیزوں اور دوستوں کو میری موت سے تکلیف پہنچے گی اور جس طرح وہ بہت سے کام جو اس کے ساتھ وابستہ تھے اب ان کے پورا نہ ہو سکنے کی وجہ سے اس کے پسماندگان کو تکلیف پہنچی ہے۔ اسی طرح جو کام مجھ سے وابستہ ہیں وہ بھی میری وفات کے بعد پورے نہ ہو سکنے کی وجہ سے میرے پسماندگان کو تکلیف ہو گی۔

غرض ان جذبات اور خیالات کے ماتحت دشمنوں کی دشمنیاں بھی اس وقت بھول جاتی ہیں۔ خواہ اس وقت کے گزر جانے کے بعد دشمنی اَور بھی بڑھ جائے مگر اس وقت طبیعت میں ضرور نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کی دو صفات ہیں

جن میں سے ایک خوشی پیدا کرتی ہے اور ایک رنج پیدا کرتی ہے۔ مگر یہ نقطۂ نگاہ انسانوں کے لحاظ سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جو عالم الغیب ہے یہ دونوں مواقع نہ کلی طور پر خوشی کا موجب ہوتے ہیں اور نہ کلی طور پر غم کا موجب ہوتے ہیں۔ جب کوئی بچہ کسی کے گھر میں پیدا ہوتا ہے تو اس کے ماں باپ اور عزیز سمجھتے ہیں کہ ایک نیا چاند دنیا میں نکلا ہے۔ ایک رحمت کا نیا دروازہ ہمارے لئے کھلا ہے۔ حالانکہ بسا اوقات پیدا ہونے والی روح دنیا کے لئے کسی قسم کے مصائب اور دکھوں کا موجب ہوتی ہے۔ اس کے رشتہ دار تو اس کی پیدائش پر خوش ہو رہے ہوتے ہیں لیکن آسمان پر خدا کے فرشتے اس کی پیدائش سے غمگین ہو رہے ہوتے ہیں۔

ابو جہل کی پیدائش پر مکہ خوشی سے اچھل رہا تھا لیکن آسمان کے فرشتے اگر ان کے لئے رونا ممکن ہے تو وہ آسمان پر رو رہے تھے۔ اس کے مقابلہ میں محمد ﷺ کی پیدائش پر مکہ والوں کو کوئی احساس بھی نہ تھا کیونکہ ایک یتیم بچہ تھا جو پیدا ہوا۔ قریبی رشتہ داروں کے دلوں پر ضرور خوشی ہوئی ہو گی ورنہ باقیوں کو احساس بھی نہ تھا کہ آج کون پیدا ہوا ہے۔ مگر جب دنیا کے لوگ اس کی پیدائش پر خاموشی سے وقت گزار رہے تھے اور سوائے قریبی رشتہ داروں کے کسی کے دل میں خوشی کے جذبات پیدا نہیں تھے اس وقت آسمان کے فرشتے خوشی سے اچھل رہے تھے کیونکہ ان کو خدا کی طرف سے یہ علم دیا گیا تھا کہ دنیا کا نجات دہندہ پیدا ہو گیا ہے اور جس مقصد کے لئے خدا نے دنیا کو پیدا کیا تھا اس مقصد کو تکمیل تک پہنچانے والا انسان ظاہر ہو گیا ہے۔

تو پیدائش دنیا کے نزدیک ایک ہی نکتہ رکھتی ہے یعنی خوشی۔ کسی کی پیدائش پر تھوڑے لوگ خوش ہوتے ہیں۔ کسی کی پیدائش پر ایک ہی آدمی یعنی ماں خوش ہوتی ہے، کسی کی پیدائش پر ہزاروں آدمی خوش ہوتے ہیں، کسی کی پیدائش پر لاکھوں آدمی خوش ہوتے ہیں اور کسی کی پیدائش پر کروڑوں آدمی خوش ہوتے ہیں لیکن آسمان کے فرشتے کسی کی پیدائش پر اگر ان کے لئے رونا ممکن ہو تو آنسو بہاتے یا

دوسرے الفاظ میں اپنے رنج کا اظہار کرتے ہیں اور کسی کی پیدائش پر خواہ دنیا کے لوگ خوشی نہ منائیں، فرشتے بڑی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہی حال موت کا ہے۔ موت کے وقت بھی دنیا کے ہر انسان کے رشتہ دار اور دوست تھوڑے ہوں یا بہت، رنج محسوس کرتے ہیں۔ ایک ڈاکو مرتا ہے تو اس کے بیوی بچے خوش نہیں ہوتے کہ ہمارا باپ ڈاکو تھا، قاتل تھا، فتنہ و فساد پھیلاتا تھا، اچھا ہوا کہ وہ مر گیا بلکہ ان کی اسی طرح چیخیں نکل جاتی ہیں جس طرح بڑے سے بڑے محسن اور نیک باپ کے بچوں کی اس کی وفات پر نکل جاتی ہیں اور وہ دنیا کے لئے اس کی موت کو ایسا ہی خطرناک سمجھتے ہیں جیسے کسی بڑے سے بڑے مصلح کی وفات کو۔ بلکہ شاید اس سے بھی زیادہ۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام بارہا ایک لطیفہ سنایا کرتے تھے کہ جب مہاراجہ رنجیت سنگھ کی وفات ہوئی تو چونکہ ان کے دورِ حکومت میں امن قائم ہوا تھا اور وہ طوائف الملوکی جو پہلے پھیلی ہوئی تھی جاتی رہی تھی اس لئے سکھوں کے علاوہ جو اُن کے ہم مذہب اور ہم قوم تھے ہندو اور مسلمان بھی عام طور پر سمجھتے تھے کہ اب ان کی وفات کے بعد پھر فتنے پیدا ہونے شروع ہو جائیں گے۔ اس لئے لوگوں میں ایک کہرام مچا ہوا تھا اور ہر شخص کے آنسو رواں تھے جن کے زیادہ گہرے تعلقات تھے وہ چیخیں مار رہے تھے۔ فرماتے تھے کہ کوئی چوہڑا لاہور کے قریب سے گزرا اور اس نے جب دیکھا کہ ہر شخص ماتم کر رہا ہے تو اس نے کسی سے پوچھا کہ آج لاہور والوں کو کیا ہو گیا ہے کہ جس کو دیکھو رو رہا ہے جس کو دیکھو رو رہا ہے۔ اس نے کہا تمہیں پتہ نہیں مہاراجہ رنجیت سنگھ فوت ہو گئے ہیں۔ وہ بڑی حیرت کا اظہار کر کے کہنے لگا۔ اچھا رنجیت سنگھ مر گیا ہے اور اس پر لوگ رو رہے ہیں۔ پھر کہنے لگا۔ "باپو ہوراں جیہے مر گئے تے رنجیت سنگھ بچارا کس شمار وچ" یعنی جب میرے باپ جیسا آدمی مر گیا تو رنجیت سنگھ بھلا کس شمار میں تھا۔ اب مہاراجہ رنجیت سنگھ کے ذریعہ بے شک امن قائم ہوا تھا۔ مگر چونکہ اس چوہڑے کا تعلق

جو اپنے باپ سے تھا وہ مہاراجہ رنجیت سنگھ سے نہیں تھا اور سیاسی فوائد کو وہ سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ اس لئے اس کے نزدیک سب سے بڑی رنج کی بات اپنے باپ کی وفات تھی۔ اسی طرح کئی بادشاہ بڑے ظالم ہوتے ہیں مثلاً ہلاکو خان بڑا ظالم مشہور ہے مگر جب ہلاکو خان مرا ہو گا تو کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کے بیوی اور بچّوں کو دوسروں کی بیویوں اور بچوں سے کم صدمہ ہوا ہو گا۔ یقیناً انہیں ہلاکو خان کی وفات پر ویسا ہی صدمہ ہوًا ہو گا جیسا نوشیرواں عادل کی وفات پر اس کے بیوی اور بچوں کو ہوًا تھا۔ حالانکہ نوشیرواں عدل کی وجہ سے مشہور ہے اور ہلاکو خان ظلم کی وجہ سے۔ مگر دونوں کے بیوی بچوں کو یکساں صدمہ ہوًا ہو گا۔ بلکہ ممکن ہے ہلاکو خان کے بیوی بچوں کو احساسات کے زیادہ تیز ہونے کی وجہ سے نوشیرواں کے بیوی بچوں سے بھی زیادہ صدمہ ہوًا ہو۔ مگر آسمان پر دنیا میں سارے بندے خوش ہوتے ہیں۔ گو کسی کی پیدائش پر زیادہ لوگ خوش ہوتے ہیں مگر آسمان پر یہ بات نہیں۔ وہاں کسی کی پیدائش پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے اور کسی کی پیدائش پر رنج کا اظہار کیا جاتا ہے۔

اسی طرح موت کا حال ہے۔ موت پر سب لوگ رنج کا اظہار کرتے ہیں۔ گو کسی کی موت پر تھوڑے لوگ رنج کرتے ہیں اور کسی کی موت پر زیادہ رنج کرتے ہیں مگر آسمان پر یہ بات نہیں۔ وہاں کسی کی موت پر رنج کا اظہار کیا جاتا ہے اور کسی کی موت پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔ پھر یہ جذبہ بھی اموات کے لحاظ سے نسبتی طور پر تقسیم ہو جاتا ہے اور فرشتوں کا رنج اور ان کی خوشی بعض دفعہ مرکب ہو جاتی ہے۔ یعنی فرشتے صرف رنج یا صرف خوشی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ان کی خوشی اور ان کا رنج ملاجلا ہوتا ہے۔ مثلاً جب کوئی بدقسمت اور گنہگار انسان مرتا ہے یا ایسا ظالم انسان مرتا ہے جس نے دنیا کے امن کو برباد کیا ہوا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کے ملائکہ خوش بھی ہوتے ہیں کہ بندوں کو اس ظالم انسان سے نجات ملی اور وہ رنج بھی کرتے ہیں کہ اپنے مولیٰ کو راضی کرنے سے پہلے وہ شخص مر گیا۔

اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کے بزرگ اور نیک لوگ فوت ہوتے ہیں اور دنیا میں

ان کی وفات کی وجہ سے کہرام مچا ہوا ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ کے فرشتے ان کی صحبت کے خیال سے خوشی منا رہے ہوتے ہیں۔ موت کیا ہے؟ موت اس دنیا سے اگلے جہان جانے کا ایک دروازہ ہے۔ جس طرح جب کوئی مصلح یا محسن انسان لاہور میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کے رہنے والے خوشی مناتے ہیں لیکن جب لاہور سے نکلتا ہے تو لاہور والے رنج کا اظہار کرتے ہیں مگر آگے جب امرت سر میں داخل ہوتا ہے تو امرتسر والے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ اسی طرح جب خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور چنندہ لوگ جو اپنی نیکی اور تقویٰ اور مقام قرب میں ملائکہ سے بڑھ کر بلکہ ملائکہ کو سبق دینے والے ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ سے ظاہر ہے وفات پا جاتے ہیں تو دنیا کے لوگ تو ان کی وفات پر رنج کا اظہار کرتے ہیں اور اس بات پر غمگین ہوتے ہیں کہ وہ اپنا دَور ختم کر کے اگلے جہان چلے گئے مگر فرشتے اس بات سے خوش ہوتے ہیں کہ اب وہ ہمارے ملک میں آ گئے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی وفات پر جب مدینہ میں کہرام پڑا ہوا تھا جنت کے لوگوں میں کتنی خوشی منائی جا رہی ہو گی۔ لوگ خدا تعالیٰ کے کلام اور فرشتوں سے سنتے ہوں گے کہ خدا تعالیٰ کا ایک برگزیدہ دنیا میں پیدا ہو چکا ہے اور وہ بہت بلند روحانی مقامات رکھتا ہے۔ ان باتوں کو سن سن کر جنتیوں کے دلوں میں کتنی خواہش پیدا ہوتی ہو گی اور وہ کس طرح اس بات کے تصور سے خوش ہوتے ہوں گے کہ کبھی یہ مبارک انسان ہم میں بھی آئے گا۔ پس جب فرشتوں نے آپ کی روح قبض کی ہو گی اور جب جنتیوں کو پتہ لگا ہو گا کہ اب ان کی سالہا سال کی امیدیں بر آنے لگی ہیں تو انہوں نے کیسی خوشی ظاہر کی ہو گی۔ مگر بہرحال یہ آسمان کی بات ہے۔ زمین پر یہی ہوتا ہے کہ موت پر رنج کا اظہار کیا جاتا ہے اور ولادت پر خوشی کا اظہار کیا جاتا ہے۔

جس طرح خدا تعالیٰ کی یہ دو صفات ہمیں دنیا میں کام کرتی نظر آتی ہیں اسی طرح کئی انسان ایسے ہوتے ہیں جو دنیا کے لئے ولادت کا موجب بنتے یا اس کی

حیات کا موجب ہوتے رہتے ہیں۔ مثلاً ماں باپ ہی ہیں۔ وہ نئی نسلیں دنیا میں لاتے ہیں۔ ڈاکٹر اور اطباء ہیں۔ وہ مریضوں کا علاج کرتے ہیں۔ اسی طرح قومی خدمات کرنے والے لوگ ہیں۔ جو ڈوبتے ہوئے لوگوں کو بچاتے ہیں۔ کہیں آگ لگ جائے تو بجھاتے ہیں۔ اسی طرح اور کئی واقعات اور حادثات جو رونما ہوتے رہتے ہیں ان میں لوگوں کی مدد کرتے ہیں۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی مُحْیِ صفت کے مورد ہوتے اور اس کی ایک مثال اور نمونہ ہوتے ہیں لیکن کئی لوگ دنیا میں ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا کام ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ تباہیاں اور بربادیاں اور ہلاکتیں لاتے رہیں۔ کہیں ان کی وجہ سے قتل ہو رہے ہوتے ہیں، کہیں فساد ہو رہے ہوتے ہیں، کہیں غارت گری کے واقعات رونما ہو رہے ہوتے ہیں۔ یہ لوگ خدا تعالیٰ کی مُمِیْت صفت کو ظاہر کرنے والے ہوتے ہیں مگر خدا کی ہر صفت کی نقل کرنے والا انسان ضروری نہیں کہ خدا کا مقبول ہو۔ خدا بے شک مُمِیْت ہے مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک قاتل کسی کو بلا وجہ قتل کر دے تو وہ یہ کہے کہ مَیں نے چونکہ فلاں شخص کو قتل کر کے خدا تعالیٰ کی صفت مُمِیْت کا اپنے آپ کو مظہر ثابت کیا ہے۔ اس لئے مَیں بڑا مقرب ہوں۔ اگر وہ ایسا کہے گا تو اس کا دعویٰ بالکل غلط ہو گا کیونکہ بندے کو جن حالات میں مُمیت بننے کا حق حاصل ہے۔ ان حالات میں اگر وہ مُمِیْت بنتا ہے۔ تب تو بے شک وہ خدا تعالیٰ کا مقرب بن سکتا ہے لیکن اگر ان حالات میں وہ مُمِیْت نہیں بنتا تو وہ مقرب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح ولادت خدا تعالیٰ کی احیاء کی صفت ہے مگر ناجائز ولادت کا موجب خد اتعالیٰ کی صفتِ مُحْیِ سے نسبت دے کر اپنے آپ کو خدا تعالیٰ کا مقرب نہیں کہہ سکتا۔

غرض وہی شخص خدا تعالیٰ کی صفت کو پورا کرنے والا قرار پا سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے قوانین کے ماتحت اس صفت کا مظہر بنتا ہے اگر وہ خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قانون کے ماتحت مُحْیِی بنتا ہے۔ تو بے شک وہ خدا تعالیٰ کا اس صفت میں مظہر بن سکتا ہے۔ اسی طرح اگر وہ خدا تعالیٰ کی صفت مُمِیْت کا مظہر اس رنگ میں

بنتا ہے۔جو خدا تعالیٰ کے بنائے ہوئے قواعد کے مطابق ہو تو خدا تعالیٰ کا مقرب ہو سکتا ہے ورنہ نہیں۔چنانچہ دیکھ لو۔جس وقت جہاد ہوتا ہے۔دونوں فریق ایک سا کام کر رہے ہوتے ہیں۔وہ بھی تلوار چلا رہا ہوتا ہے اور یہ بھی تلوار چلا رہا ہوتا ہے۔ کافر، مومن کو مارتا ہے اور مومن کافر کو مارتا ہے۔پس بظاہر ان دونوں کا فعل یکساں ہوتا ہے مگر جب کافر کی تلوار سے ایک مومن گرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا عرش کانپ جاتا ہے اور فرشتے اس کافر پر لعنتیں ڈالتے ہیں لیکن جب کسی مومن کی تلوار سے ایک کافر گرتا ہے تو فرشتے خوش ہوتے اور مومن پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں نازل کرتے ہیں حالانکہ فعل ایک ہوتا ہے، مقام ایک ہوتا ہے اور ذریعۂ قتل ایک ہوتا ہے مگر ایک کے فعل پر تو برکتیں اور رحمتیں نازل ہوتی ہیں اور دوسرے کے فعل پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنتیں اور ملامتیں نازل ہوتی ہیں۔پس اپنی ذات میں مُمِیْت ہونا یا مُحْیِ ہونا کوئی اچھی یا بری بات نہیں اگر مُحْیِ ہونا خداتعالیٰ کے قانون کے ماتحت ہو تو اچھا ہوتا ہے۔اور اگر مُمِیْت ہونا خدا تعالیٰ کے قانون کے ماتحت ہو تو اچھا ہوتا ہے لیکن اگرمُمِیْت یا مُحْیِ ہونا خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے خلاف ہو تو یہی بات بُری بن جاتی ہے۔آجکل جو لڑائی لڑی جا رہی ہے اس کو اگر ہم لڑائی کے لحاظ سے دیکھیں تو یقیناً اسے بُرا نہیں کہہ سکتے۔کیونکہ لڑائی رسول کریم ﷺ نے بھی کی ہے،حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی کی ہے،حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے بھی کی ہے، حضرت کرشن علیہ السلام اور حضرت رام چندر نے بھی کی ہے۔اسی طرح اور کئی انبیاء ہیں جنہوں نے لڑائیاں کیں۔پس ہم لڑائی کو برا نہیں کہہ سکتے۔ جو چیز بری ہے وہ یہ ہے کہ ایسی لڑائی لڑی جائے جو خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ قواعد کے خلاف ہو۔ورنہ دنیا میں کئی لڑائیاں ایسی ہوتی ہیں جو رحمت کا موجب ہوتی ہیں۔ قرآن کریم میں ہی آتا ہے کہ اگر ہم لڑائی کی اجازت نہ دیتے تو بعض ظالم ایسے تھے جو مسلمانوں کی مساجد، عیسائیوں کے گرجے اور ہندوؤں کے مندر وغیرہ گرا دیتے۔[1] اس وقت بھی کئی ایسے ظالم مسلمان موجود ہیں جن کو اگر اختیار مل جائے تو

عیسائیوں کے گرجوں اور ہندوؤں کے مندروں کو گرا دیں۔ کئی ایسے ظالم عیسائی موجود ہیں جن کو اگر اختیار مل جائے تو وہ مسلمانوں کی مسجدوں اور ہندوؤں کے مندروں کو گرا دیں۔ کئی ایسے ظالم ہندو راجے موجود ہیں جن کو اگر اختیار مل جائے تو وہ مسلمانوں کی مسجدیں اور عیسائیوں کے گرجے گرا دیں۔ پس بے شک یہ درست ہے کہ دنیا میں امن قائم رہنا چاہیئے۔ مگر یہ بھی درست ہے کہ امن کے قیام کے لئے بعض دفعہ تلوار بھی چلانی پڑتی ہے۔ اگر اس قسم کے ظالم لوگ دنیا میں نہ رہیں تو بے شک کسی کو تلوار چلانے کی ضرورت نہ رہے۔ مگر چونکہ دنیا میں ایسے لوگ موجود ہوتے ہیں جو فتنہ و فساد پھیلاتے ہیں۔ اس لئے خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ مومن بھی ان کے مقابلہ میں وہی ہتھیار استعمال کریں جو وہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے ڈاکٹر بیماریوں کے دفعیہ کے لئے مریضوں کو بعض دفعہ کڑوی دوائیں پلاتے ہیں۔ اگر یونہی کسی کو کہا جائے کہ تم کڑوی دوائی استعمال کرو تو وہ کبھی استعمال نہیں کرے گا مگر جب ڈاکٹر کسی بیماری کی وجہ سے اسے کڑوی دوائی استعمال کرنے کی ہدایت کرتا ہے تو وہ خوشی سے کڑوی دوائی پی لیتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ میرے جسم میں بیماری کا جو زہر ہے اس کے لئے کڑوی دوائی کی ہی ضرورت ہے۔ اسی طرح کئی جنگیں ضروری ہوتی ہیں۔ گو کئی جنگیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو بری ہوتی ہیں۔

پس مومن کو اپنے کاموں میں ہمیشہ یہ امر مدنظر رکھنا چاہیئے کہ کوئی کام اپنی ذات میں اچھا یا برا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ قانون کے ماتحت وہ اچھا یا بُرا بنتا ہے۔ دیکھ لو نماز کتنی اچھی چیز ہے لیکن اللہ تعالیٰ بعض نماز پڑھنے والوں کے متعلق ہی فرماتا ہے کہ وَيۡلٌ لِّلۡمُصَلِّيۡنَ 2 یعنی ایک نماز پڑھنے والا انسان ہوتا ہے جس پر لعنت پڑتی ہے۔ الَّذِيۡنَ هُمۡ يُرَآءُوۡنَ 3 یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو ریاء کے طور پر نمازیں پڑھتے ہیں۔ اسی طرح صدقہ اللہ تعالیٰ کیسا پسند کرتا ہے مگر قرآن کریم میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ دکھاوے کے لئے صدقہ و خیرات کرتے ہیں یا صدقہ کرنے کے بعد احسان جتاتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے مورد بنتے ہیں۔

یہی حال روزوں کا ہے۔ یہی حال زکوٰۃ کا ہے۔ یہی حال حج کا ہے۔

جب میں حج کرنے کے لئے گیا تو سُورَت کے علاقہ کے ایک نوجوان تاجر کو مَیں نے دیکھا۔ جب وہ منٰی کی طرف جا رہا تھا تو بجائے ذکر الٰہی کرنے کے اردو کے نہایت ہی گندے عشقیہ اشعار پڑھتا جا رہا تھا۔ اتفاق کی بات ہے کہ جب میں واپس آیا تو جس جہاز میں مَیں سفر کر رہا تھا اسی جہاز میں وہ بھی واپس آ رہا تھا۔ مگر وہی نوجوان جس کے دل میں حج کا کچھ بھی احترام نہیں تھا اور جو عبادت اور ذکر الٰہی میں مشغول رہنے کی بجائے منٰی کو جاتے ہوئے عشقیہ اشعار پڑھتا جا رہا تھا۔ اسے یہ معلوم کر کے کہ مَیں احمدی ہوں اس قدر غصہ پیدا ہوا کہ ایک دن جبکہ میں جہاز میں ٹہل رہا تھا وہ عجیب حسرت کے ساتھ میری طرف دیکھ کر کہنے لگا۔ اُف! یہ جہاز بھی ڈوب نہیں جاتا جس پر یہ شخص سفر کر رہا ہے۔ گویا احمدیت اس کے نزدیک اتنی بُری چیز تھی کہ اگر جہاز کے سارے مسافر ڈوب جاتے اور وہ خود بھی ڈوب جاتا تو یہ قربانی کوئی بڑی نہ تھی۔ اگر اس قربانی کے نتیجہ میں ایک احمدی بھی غرق ہو جاتا۔ اُس وقت تک اسے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ مَیں کون ہوں۔ کچھ دنوں کے بعد موقع پا کر مَیں نے اس سے پوچھا کہ کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ آپ حج کے لئے کیوں آئے تھے۔ مَیں نے تو دیکھا ہے کہ آپ منٰی کو جاتے ہوئے بھی ذکر الٰہی نہیں کر رہے تھے۔ اس نے کہا اصل بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں حاجی کی دکان سے لوگ سودا زیادہ خریدا کرتے ہیں۔ جہاں ہماری دکان ہے۔ اس کے بالمقابل ایک اَور شخص کی دکان بھی ہے۔ وہ حج کر کے گیا اور اس نے اپنی دکان پر حاجی کا بورڈ لگا لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے گاہک بھی ادھر جانے لگ گئے۔ یہ دیکھ کر میرے باپ نے مجھے کہا کہ تُو بھی حج کر آ۔ تا کہ واپس آ کر تو بھی حاجی کا بورڈ اپنی دکان پر لگا سکے۔ اب کیا تم سمجھتے ہو کہ اس کا حج اس کے لئے ثواب کا موجب ہوا ہو گا۔ ثواب کا تو کیا سوال ہے۔ اس کا حج یقیناً اسے گناہ کے طور پر لگا ہو گا اور فرشتے اس پر لعنتیں ڈالتے ہوں گے۔ تو انسان کو اپنے کاموں میں ہمیشہ یہ امر ملحوظ رکھنا چاہئے کہ اچھے سے اچھا کام

کرنے یا بُرے سے بُرا کام کو ترک کرنے میں خدا تعالیٰ کی مرضی اور رضا کو مدنظر رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ کیونکہ بُرے کام کو ترک کرنا بھی انسان کے لئے ہر حالت میں نیکی نہیں ہوتا بلکہ نیکی کی تحریک بھی بعض اوقات بدی ہوتی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ و السلام فرمایا کرتے تھے کہ حضرت معاویہ ایک دن صبح کو دیر سے اُٹھے اور فجر کی نماز باجماعت نہ پڑھ سکے۔ اس کا انہیں اس قدر غم ہوا کہ وہ سارا دن روتے رہے۔ دوسرے دن انہوں نے نماز فجر سے قبل کشفی طور پر دیکھا کہ ایک شخص انہیں جگا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ نماز کا وقت قریب ہے۔ اٹھ کر نماز پڑھ لو۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ وہ کہنے لگا مَیں شیطان ہوں۔ انہوں نے کہا یہ عجیب بات ہے کہ شیطان دوسروں کو نماز پڑھنے کے لئے جگائے۔ تیرا کام تو لوگوں کو نماز سے روکنا ہے نہ کہ نماز کے لئے جگانا۔ وہ کہنے لگا اصل بات یہ ہے کہ کل مَیں نے تم کو سلائے رکھا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمہاری ایک نماز باجماعت ضائع ہو گئی۔ اس پر تم اتنا روئے اتنا روئے کہ خدا تعالیٰ نے کہا میرے اس بندے کو ایک نماز باجماعت کے ضائع ہونے کا بہت ہی صدمہ ہوا ہے۔ اس لئے اس ایک نماز کی بجائے مَیں اسے دس باجماعت نمازیں پڑھنے کا ثواب دیتا ہوں۔ میری غرض تو تمہیں ثواب سے محروم کرنا تھی مگر تم پہلے سے بھی زیادہ ثواب لے گئے۔ اس لئے آج مَیں تمہیں خود جگانے آیا ہوں تا ایسا نہ ہو کہ آج بھی تم سوئے رہو اور رو رو کر خدا تعالیٰ سے زیادہ ثواب لے جاؤ۔

تو کبھی انسان کو ایک چیز نیکی نظر آتی ہے مگر وہ درحقیقت بدی ہوتی ہے اور کبھی بدی نظر آتی ہے مگر درحقیقت وہ نیکی ہوتی ہے جیسے رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور صحابہؓ کی لڑائیاں ہیں۔ اصل چیز خدا تعالیٰ کی رضا ہے۔ اگر انسان خدا تعالیٰ کی رضا کے ماتحت کام کرے تو گو بظاہر وہ مُمِیْت نظر آتا ہے مگر اس کا قتل کا فعل بھی بُرا نہیں سمجھا جا سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اور آپ کے صحابہؓ پر کتنے اعتراض کئے گئے کہ انہوں نے قتل کئے، لڑائیاں کیں اور دنیا میں نَعُوْذُ بِاللّٰہِ فتنہ و فساد

پھیلایا۔ مگر ہم تو ان لڑائیوں پر جتنا غور کرتے ہیں اتنی ہی آپ کی عظمت اور بڑائی ظاہر ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں ہی اللہ تعالیٰ صحابہ کے متعلق فرماتا ہے۔ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ جب لڑائی کا انہیں حکم دیا گیا تو وہ انہیں بہت ہی گراں گزرا۔ اس لئے نہیں کہ وہ اپنی جان دینے سے گھبراتے تھے بلکہ اس لئے کہ وہ دوسروں کی جان لینے سے گھبراتے تھے۔ حالانکہ وہ کفار جن سے انہیں لڑنے کا حکم ملا۔ اتنے شدید دشمن تھے کہ انہوں نے متواتر تیرہ سال تک رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ پر بڑے بڑے ظلم کئے تھے۔ انہوں نے ان پر ہنسی مذاق اڑایا۔ ان کے خلاف گالی گلوچ سے کام لیا۔ انہیں خدا کی عبادت سے روکا، ان کو بے دردانہ طور پر مارا اور بعض کو تو ظالمانہ طور پر قتل کر دیا گیا پھر جب رسول کریم ﷺ اور آپ کے صحابہؓ مدینہ میں ہجرت کر کے آئے تو یہاں بھی دشمنوں نے انہیں چین سے بیٹھنے نہ دیا اور حملہ کر دیا۔ دنیا میں عام طور پر ایسے مخالف حالات کے رونما ہونے پر لوگ چاہتے ہیں کہ اگر ان کا بس چلے تو اپنے دشمنوں کو آروں سے چیر دیں۔ انہیں آگ میں جلا دیں۔ انہیں پہاڑوں سے گرا دیں، انہیں پانی میں غرق کر دیں مگر صحابہؓ کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ [4] ہم نے تمہیں جنگ کا حکم تو دیا ہے مگر وہ تم پر سخت گراں گزر رہا ہے۔ جن لوگوں کے قلوب کی یہ کیفیت ہو تم سمجھ سکتے ہو کہ ان کی جنگ کتنی بڑی نیکی تھی۔ وہ اپنے دلوں میں لڑائی کو پسند نہیں کرتے تھے لیکن سمجھتے تھے کہ جب خدا نے لڑائی کا حکم دیا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ دشمن سے لڑیں۔ پس ایک طرف وہ لڑتے تھے، جوش سے لڑتے تھے اور بڑی بڑی قربانی کرتے تھے مگر دوسری طرف ان کی یہ حالت تھی کہ ان کے دل اندر سے بیٹھے جاتے تھے۔

جب صحابہؓ کا یہ حال تھا تو تم سمجھ سکتے ہو کہ رسول کریم ﷺ کا کیا حال ہو گا۔ قرآن کریم اس کیفیت کا ان الفاظ میں ذکر فرماتا ہے کہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَلَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ [5] یعنی ان لوگوں کے ایمان نہ لانے اور کافر رہنے کا ہمارے رسول کو

اس قدر صدمہ ہے کہ گویا اس کی گردن پر تلوار رکھ کر کسی نے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک اسے کاٹ دیا ہے۔جب لوگوں کے ایمان نہ لانے کا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر افسوس تھا تو ان کا کفر کی حالت میں مر جانا آپ پر کس قدر گراں گزرتا ہو گا۔ جو شخص صرف اس بات سے ہی صدمہ محسوس کرتا ہے کہ ایک شخص خدا تعالیٰ پر ایمان نہیں لایا۔ اس کے دل پر اس وقت کیا گزرتی ہو گی جب اسے یہ معلوم ہوتا ہو گا کہ اب کفر پر اس کا خاتمہ بھی ہو گیا ہے۔

تو جو چیز دنیاکو مکروہ نظر آتی ہے وہی چیز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے چہرہ کو ایسا حسین ثابت کرتی ہے کہ ان کے صدقہ و خیرات سے ان کا اتنا حسن ظاہر نہیں ہوتا جتنا لڑائیوں سے ان کا حسن ظاہر ہوتا ہے۔صدقہ و خیرات کرتے وقت ہر انسان کے دل میں رحم کا جذبہ پیدا ہوتا ہے مگر انتقام کے جذبہ کی موجودگی میں اور پھر اس انتقامی جذبہ کو پورا کرنے والے تمام سامانوں کی موجودگی میں دل میں اتنی رأفت، رحمت اور نرمی کا پیدا ہونا سوائے خدا رسیدہ اور ولی اللہ انسان کے اور کسی سے ممکن نہیں۔ہم نے تو دیکھا ہے دنیا میں ایک شخص دوسرے کو تھپڑ مار دے تو دوسرا جواب میں اسے دس تھپڑ مار کر بھی خوش نہیں ہوتا اور سال سال تک دل میں اس کے متعلق کینہ رکھتا چلا جاتا ہے۔اسی طرح اگر کوئی شخص دوسرے کے متعلق سخت لفظ استعمال کر دے تو مَیں نے دیکھا ہے کہ دوسرا شخص جھٹ میرے پاس اس کی شکایت پہنچا دیتا ہے اور شکایت کرتے کرتے پندرہ بیس گالیاں اسے دے دیتا ہے کہ وہ ایسا خبیث، ایسا بے دین اور ایسا مرتد ہے مگر ساتھ ہی لکھتا ہے کہ مَیں تو اسے کچھ نہیں کہتا۔اللہ ہی ہے جو اس سے بدلہ لے۔گویا دس بیس گالیاں دینے کے باوجود پھر بھی اس کی تسلی نہیں ہوتی اور وہ مجھے لکھتا ہے کہ آپ چونکہ خلیفہ ہیں۔اس لئے آپ کا فرض ہے کہ اسے سزا دیں اور پھر لکھ دیتا ہے کہ مَیں نے تو اسے کچھ بھی نہیں کہا۔خدا ہی ہے جو اس سے بدلہ لے۔

تو دنیا میں بسا اوقات ہم دیکھتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے قصوروں پر لوگ اتنا غصہ

ظاہر کرتے ہیں کہ اس کی کوئی حد ہی نہیں ہوتی۔ مگر صحابہؓ کو جو تکلیفیں پہنچی تھیں ان کا تو قیاس کر کے بھی انسان کا دل کانپ جاتا ہے۔ ہٹلر کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ وہ بڑا ظالم ہے مگر اس کے ظلم بھی قریش مکہ کے مظالم کے آگے کیا حقیقت رکھتے ہیں۔ ایک غریب صحابیہؓ عورت تھی۔ کفار نے اس کی شرمگاہ میں نیزہ مار کر اسے مار دیا۔6 ایک اَور صحابیؓ تھے ان کی ایک ٹانگ ایک اونٹ سے باندھ دی اور دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے اور پھر ان دونوں اونٹوں کو مخالف سمتوں میں دوڑا دیا گیا اور اس طرح ان کو چِیر کر مار ڈالا گیا۔

ایک اَور صحابیؓ جو پہلے غلام تھے انہوں نے ایک دفعہ نہانے کے لئے کُرتہ اُتارا تو کوئی شخص پاس کھڑا تھا اس نے دیکھا کہ ان کی پیٹھ کا چمڑا اوپر سے ایسا سخت اور کُھردرا ہے جیسے بھینس کی کھال ہوتی ہے۔ وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا اور انہیں کہنے لگا تمہیں یہ کب سے بیماری ہے۔ تمہاری تو پیٹھ کا چمڑا ایسا سخت ہے جیسے جانور کی کھال ہوتی ہے۔ یہ سن کر وہ ہنس پڑے اور کہنے لگے۔ بیماری کوئی نہیں جب ہم اسلام لائے تھے تو ہمارے مالک نے فیصلہ کیا کہ ہمیں سزا دے۔ چنانچہ تپتی دھوپ میں ہمیں لٹا کر ہمیں مارنا شروع کر دیتا اور کہتا کہ کہو ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو نہیں مانتے۔ ہم اس کے جواب میں کلمۂ شہادت پڑھ دیتے۔ اس پر وہ پھر مارنے لگ جاتا اور جب اس طرح بھی اس کا غصہ نہ تھمتا تو ہمیں پتھروں پر گھسیٹا جاتا۔ عرب میں کچے مکانوں کو پانی سے بچانے کے لئے مکان کے پاس ایک قسم کا پتھر ڈال دیتے ہیں جسے پنجابی میں کِھنگر کہتے ہیں۔ یہ نہایت سخت، کُھردرا اور نوکدار پتھر ہوتا ہے اور لوگ اسے دیواروں کے ساتھ اس لئے لگا دیتے ہیں کہ پانی کے بہاؤ سے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچے تو وہ صحابی کہنے لگے کہ جب ہم اسلام سے انکار نہ کرتے اور لوگ ہمیں مار مار کر تھک جاتے تو پھر ہماری ٹانگوں میں رسی باندھ کر ان کُھردرے پتھروں پر ہمیں گھسیٹا جاتا تھا اور جو کچھ تم دیکھتے ہو اسی مار پیٹ اور گھسٹنے کا نتیجہ ہے۔ غرض سالہا سال تک ان پر ظلم ہوئے۔ آخر حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ

بات برداشت نہ ہو سکی اور انہوں نے اپنی جائداد کا بہت سا حصہ فروخت کر کے انہیں آزاد کرا دیا مگر اتنے مظالم کے بعد جس وقت ان کو حکم ہوا کہ جاؤ اور دشمنوں سے لڑائی کرو تو ان کو اس خیال سے تکلیف محسوس ہوئی کہ اب ہمیں لوگوں کو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا پڑے گا۔

بعض صحابہؓ کی بے شک ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے دلوں میں غصہ تھا مگر ان کا یہ غصہ بھی کسی ذاتی تکلیف کی وجہ سے نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کے مظالم کی وجہ سے تھا۔ پھر یہ مثالیں بھی زیادہ تر انصار میں نظر آتی ہیں اور انصار کی طرف سے اس غصہ کا اظہار ان کی نیکی کا ثبوت ہے۔ کیونکہ انصار مدینہ میں رہتے تھے اور وہ قریش مکہ کے مظالم کا تختہ نہیں بنے تھے۔ اگر مہاجرین کی طرف سے غصہ کا اظہار ہوتا تو خیال کیا جا سکتا تھا کہ انہیں چونکہ ذاتی طور پر کفار سے تکالیف پہنچی تھیں اس لئے ان کے دلوں میں غصہ پایا جاتا تھا مگر انصار کے متعلق یہ خیال ہی نہیں کیا جاسکتا کیونکہ انہیں ذاتی طور پر کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی۔ پس ان کا غصہ محض خدا اور اس کے رسول کے لئے تھا اور یہ بذاتِ خود ایک بہت بڑی نیکی ہے۔ چنانچہ انصار کے اس جوش کا ثبوت اس واقعہ سے بھی ملتا ہے جو مَیں بارہا سنا چکا ہوں کہ جنگ بدر میں دو انصاری نوجوانوں نے حضرت عبد الرحمان بن عوفؓ سے کہا کہ اے چچا وہ ابو جہل کونسا ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا کرتا ہے۔ ہمارا جی چاہتا ہے کہ اسے قتل کریں۔7 پس اس غصہ کا اظہار کرنے والے انصاری لوگ تھے۔ مگر ان کا غصہ بھی خدا کے لئے ہی تھا۔ مکہ والے جن کو ذاتی طور پر کفار سے تکالیف پہنچی تھیں ان کی یہ حالت تھی کہ انہیں لڑائی کرنا سخت ناپسند تھا۔ (بعض فقرات حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ایسے پائے جاتے ہیں جن سے ان کے غصہ کا اظہار ہوتا ہے مگر وہ غصہ بھی عارضی تھا۔ دوسرے کئی مواقع پر ان کے متعلق بھی یہ امر ثابت ہے کہ وہ لڑائی کو پسند نہیں کرتے تھے) مگر باوجود اس کے انہیں لڑائیاں کرنی پڑیں کیونکہ خدا نے کہا کہ اس کے

بغیر اصلاح نہیں ہو سکتی۔ پس بے شک انہوں نے تلوار اٹھائی اور بے شک انہوں نے لڑائی کی مگر محض خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے۔

پس مومن کو اپنے کاموں کا ہمیشہ جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور یہ دیکھنا چاہئے کہ جو کام وہ کر رہا ہے وہ خدا تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہے یا نہیں۔ بعض باتیں بظاہر خوبی اور نیکی دکھائی دیتی ہیں مگر شریعت انہیں خوبی نہیں سمجھتی۔ جیسے سزائیں دینا ہے قرآن کریم نے بعض سزاؤں کے متعلق یہ فیصلہ کیا ہے کہ انہیں مومنوں کی جماعت دیکھے اور ان کے دلوں میں رحم پیدا نہ ہو۔ ایسے موقع پر بظاہر یہ نظر آتا ہے کہ سزا کو نہ دیکھنا اچھا ہے مگر اللہ تعالیٰ یہ بتاتا ہے کہ اس وقت سزا کو دیکھنا ہی رحمت کا موجب ہوتا ہے۔

پس اپنے کاموں کو ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے ماتحت رکھنے کی کوشش کرو اور اس بات سے عبرت حاصل کرو کہ دنیا میں لوگ مُحیِ ہو کر بھی ظالم ہوتے ہیں اور مُمِیْت ہو کر بھی ظالم ہوتے ہیں کئی ایسے ہیں جو احیاء کے سامان کر رہے ہیں مگر پھر بھی وہ ظالم ہیں اور کئی ایسے ہیں جو اِماتت کے سامان کر رہے ہیں مگر پھر بھی وہ ظالم ہیں۔ لیکن مومن کی یہ حالت نہیں ہوتی۔ وہ مُحیِ بنتا ہے تب بھی اس پر رحم کیا جاتا ہے اور مُمِیْت بنتا ہے تب بھی اس پر رحم کیا جاتا ہے۔ وہ قتل کرتا ہے تب بھی اسے ثواب ملتا ہے اور پیدائش کا موجب بنتا ہے تب بھی اسے ثواب حاصل ہوتا ہے۔ پس ایسے انسان بننے کی کوشش کرو تاکہ تم سے کوئی ایسا فعل سرزد نہ ہو جس کے نتیجہ میں تمہیں خدا تعالیٰ کی رضا حاصل نہ ہو۔"

(الفضل 12 نومبر 1941ء)

---

1 وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ (الحج: 41)

2 الماعون: 5 3 الماعون: 7

4 البقرۃ: 217 5 الشعراء: 4

6 اسد الغابۃ جلد 5 صفحہ 481 مطبوعہ ریاض 1280ھ

7 بخاری کتاب المَغَازِیْ باب فَضْلُ مَنْ شَهِدَ بَدْرًا